

مقاماتِ معصومی

(طبع محمد اقبال مجّدی کا ایک جائزہ)

عارف نوشاہی *

ایک طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد آخر کار مقاماتِ معصومی اکتوبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہو گئی۔ پروفیسر محمد اقبال مجّدی (استاد شعبہ تاریخ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور) اس کتاب کی ترتیب و تصحیح اور ترجمہ و تعلق میں ۱۹۸۱ء سے مصروف تھے۔ اب کوئی ۲۳ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد انھوں نے اس کتاب کی پیش کش کا حق ادا کر دیا ہے اور کئی سال کی تاخیر کی تلافی کر دی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام چار جلدوں میں ہوا ہے **:

پہلی جلد: مقدمہ، امام ربّانی مجّدی الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور آپ کے جانشینوں کی تحریک احیاء دین، دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے انکار کا تقابلی و تجزیاتی جائزہ اور اس کے اثرات و نتائج؛ تالیف محمد اقبال مجّدی

دوسری جلد: مقاماتِ معصومی، اردو ترجمہ محمد اقبال مجّدی

تیسری جلد: مقاماتِ معصومی، فارسی متن تالیف میر احمد معصومی، تصحیح و تقابلی محمد اقبال مجّدی

چوتھی جلد: تعلیقات و توضیحات، تالیف محمد اقبال مجّدی

کسی فارسی متن کی تدوین کے لیے ایسے اہتمام و انصرام کی پاکستان کی معاصر علمی تاریخ میں چند ایک مثالیں ہی ملتی ہیں۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (۱۸۸۳-۱۹۶۳ء) کی مرتبہ مطلع سعدین و مجمع بحرین، سید حسام الدین راشدی (۱۹۱۱-۱۹۸۲ء) کی مرتبہ مکھی نامہ اور ڈاکٹر غلام سرور (۱۹۰۹-۱۹۹۸ء) کی مرتبہ جواہر الاولیاء اور خلاصہ الالفاظ جامع العلوم اپنی تعلیقات اور مقدموں کے اعتبار سے مثالی ہیں اور مرتبین کی کاوش اور جان فشانی کا پتا دیتی ہیں۔ جواہر الاولیاء اور خلاصہ الالفاظ جامع العلوم پر لکھے گئے ڈاکٹر غلام سرور کے مقدمے جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں اور یہ جدا ہی شائع ہوئے ہیں۔ پاکستان

* ادارہ معارف نوشاہی، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد؛ anaushahi_2000@yahoo.com

** مقاماتِ معصومی، تالیف میر صفر احمد معصومی، بہ اہتمام محمد اقبال مجّدی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء،

میں فارسی متون کی تدوین اور تصحیح کا وقار انہی فضلاء کے مرہونِ منت ہے اور آج بھی فارسی حلقوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ اب مجددی صاحب نے مقاماتِ معصومی مرتب کر کے نہ صرف اس شان دار علمی روایت کو آگے بڑھایا ہے، بل کہ خود بھی ایک مثال قائم کی ہے۔ ایک فارسی متن کو بنیاد بنا کر اس کا چار جلدوں میں شائع ہونا پاکستان کی معاصر علمی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے جس سے علمی دنیا میں پاکستان کی نیک نامی میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ اس اہتمام پر اس کے مرتب محمد اقبال مجددی صاحب مبارک باد اور تحسین کے مستحق ہیں۔ ہم مستقبل قریب میں ان سے اسی طرح کے، بل کہ اس سے بہتر علمی کاموں کی توقع رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔

جن محققین کو مجددی تحریک اور اس سلسلے کے جملہ مباحث، رجال اور آثار سے دل چسپی ہے وہ مقاماتِ معصومی کے اس ایڈیشن کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور توقع رکھنی چاہیے کہ اس اشاعت کے بارے میں ان محققین کے نقطہ ہائے نظر، آراء، مشورے بتدریج سامنے آتے رہیں گے۔ میں نے بھی فارسی زبان و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے محمد اقبال مجددی کی مرتبہ مقاماتِ معصومی کو جستہ جستہ پڑھا ہے۔ ظاہر ہے اس کتاب کی چاروں جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور ان کے بارے میں مفصل تنقیدی رائے پیش کرنے کے لیے زیادہ کوشش، انہماک اور فرصت چاہیے۔ یہ کام ان محققین کا ہے جو نقشبندیہ مجددیہ مطالعات کے ماہر ہیں، احقر خود کو اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا۔ میری ان سطور کا اولین مقصد اس کتاب کی اشاعت کا خیر مقدم کرنا ہے اور ایک گوشہ نشین، خاموش طبع، ادبی و علمی مناقشوں سے دور محقق کو اس کی ربع صدی کی تحقیق پر داد دینا ہے۔ البتہ اس بہانے سے چند معروضات بھی پیش ہوں گی۔

مقاماتِ معصومی خواجہ محمد معصوم سرہندی (شوال ۱۰۰۷ھ - ۹ رجب الاوّل ۱۰۷۹ھ / ۱۵۹۹-۱۶۶۸ء) کے حالات، ملفوظات، عادات، تصرّفات اور ان کے ابناء و اقرباء اور بعض خلفاء کے حالات پر میر صفیر احمد معصومی (ولادت: ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۸۶ھ - وفات: قیاساً ۱۷ جمادی الاوّل ۱۱۵۰ھ / ۱۶۷۶-۱۷۳۷ء) کی فارسی تصنیف ہے جس کا زمانہ تصنیف ۲۶ رجب الثانی ۱۱۳۲ھ - ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰-۱۷۲۲ء ہے۔ خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد کے تیسرے فرزند اور بقول مصنف ”نائب ام“ تھے۔ مصنف خواجہ محمد معصوم کے نواسے تھے۔ محمد اقبال مجددی صاحب [اس کے بعد: فاضل مرتب] نے یہ متن دو قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا ہے، ایک نسخہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی، دہلی، مکتوبہ ۱۲۹۲ھ اور دوسرا نسخہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، بلا تاریخ کتابت ہے۔

کتاب کا مقدمہ (جلد اول) چار بڑے موضوعات پر مشتمل ہے:

- ۱۔ عالمگیری دور کے مجزوب اطوار اور شطح گو صوفیا کے حالات؛ فاضل مرتب نے ان کا ذکر حضرات مجددیہ کے مقابلے میں ”صوفیائے خام“ کے طور پر کیا ہے اور ان کا کڑا محاکمہ کیا ہے؛
- ۲۔ مجددی حضرات کے دربار سے تعلقات؛
- ۳۔ خواجہ محمد معصوم کے حالات و تصانیف؛
- ۴۔ مقاماتِ معصومی کے مصنف کے حالات اور کتاب پر تبصرہ۔

فاضل مرتب نے مقاماتِ معصومی پر تعلیقات و حواشی اور مقدمہ لکھنے میں ۵۰ مختلف مآخذ سے استفادہ کیا ہے (جلد چہارم، ص ۴۷۷-۵۳۲) اور ان میں سے بعض نادر مآخذ کے صفحات کے عکس بھی پیش کیے ہیں (جلد چہارم، ص ۵۳۸-۵۸۸)۔ فاضل مرتب نے مقاماتِ معصومی سے اشخاص، جغرافیائی مقامات، روایات وغیرہ منتخب کر کے ان پر حواشی / تعلیقات لکھے ہیں؛ روایات کی تنقیح کی ہے؛ آیات اور احادیث کی تخریج کی ہے؛ شجرہ نامے دیے ہیں۔

کتاب کی پہلی دو جلدیں کمپیوٹر ٹائپ پر اور آخری دو جلدیں دستی کتابت سے تیار ہوئی ہیں، اسی لیے ان کی ظاہری خوب صورتی میں بھی فرق ہے۔ ایک ایسی کتاب کا جس میں سینکڑوں رجال، اماکن اور کتب کا تذکرہ ہوا ہے، کسی اشاریے کے بغیر شائع ہو جانا افسوس ناک ہے۔ اس طرح کتاب سے استفادہ محدود ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاں اگر بعض مصنفین اپنی تصانیف کے ساتھ اشاریہ دینا بھی چاہتے ہیں تو ناشرین اس کی افادیت سے ناواقف ہونے کے باعث یا طباعت کی لاگت کم رکھنے کی غرض سے اشاریہ چھاپنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ کوئی علمی رویہ نہیں ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں اپنی وہ معروضات پیش کرتا ہوں جو ان جلدوں کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد تیار ہوئی ہیں۔ یہ معروضات دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ پہلے حصے میں کتاب کے مندرجات پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں کتابت اور طباعت وغیرہ کی فروگزاشتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ دونوں جائزے جلد وار مرتب ہوئے ہیں۔

(I)

جلد اول:

ص ۶۵-۷۲: ملاً شاہ بدخشی (۹۹۲-۱۰۷۲ھ/۱۵۸۴-۱۶۶۱ء) کے محاکمے کا تمام ترداد و مدار دوسروں

کی تصانیف میں درج ان کے افکار پر ہے اور فاضل مرتب نے کہیں ملاً شاہ بخشی کی اپنی تصانیف سے راست افکار نقل نہیں کیے۔ فاضل مرتب نے بعض مسلمان ”صوفیائے خام“ کی شاعری سے ایسے نمونے چُن چُن کر پیش کیے ہیں جن کی بنیاد پران کی تکفیر کی جا سکے۔ غیر مسلم شعراء کی تو بات ہی اور ہے۔ اگر شاعری کی بنیاد پر کسی کے عقائد اور رجحانات کا تعین اور اس پر شرعی حکم لگانا معقول ہوتا تو ہماری ادب کی تاریخ کا کوئی شاعر فقہا اور قضات کی تادیب و تکفیر سے نہیں بچ سکتا اور وہ ”خام شاعر“ ہی قرار پائے گا۔ میں یہاں ایک بہت ہی معروف مسلمان شاعر مولانا نورالدین عبدالرحمان جامیؒ (۸۱۷-۸۹۸ھ/۱۴۱۴-۱۴۹۲ء) کے چند اشعار نقل کرتا ہوں اور دیکھتے ہیں کہ آیا ان اشعار کی روشنی میں انہیں ”موحد“ کہا جا سکتا ہے؟ مولانا جامیؒ سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا سعد الدین کاشغریؒ (۸۶۰-۸۷۶ھ/۱۴۵۶ء) کے مرید اور خواجہ عبداللہ احرارؒ (۸۰۶-۸۹۵ھ/۱۴۰۴-۱۴۹۰ء) کے عقیدت مند تھے۔ نعت گوئی میں ان کا مقام مسلم ہے اور سیرت النبی ﷺ پر ان کی کتاب شواہد النبوة بے حد مقبول ہے:

زسجدہ ای کہ نباشد در ابرویت رویم
 بہ پشت از خوی خجالت جبین ہمی شویم
 بر آستان تو می ایستم بہ قصد نماز
 سجود خاک درت را بہانہ می جویم

ترجمہ: جس سجدہ میں تمہارے ابرو میرے سامنے نہ ہوں، میں تمہارے سامنے شرمندگی کے پسینے سے اپنی جبین پونچھتا ہوں۔ تمہارے آستانے پر میں نماز کے ارادے سے کھڑا ہوتا ہوں اور تمہارے در کی خاک کو سجدہ کرنے کا بہانہ بناتا ہوں۔

بہ ہیچ مسجد و محراب بی تو روکنم
 کہ پیش ابروی تو سجدہ آرزو کنم^۲

ترجمہ: میں اس وقت تک تمہارے بغیر کسی مسجد اور محراب کی طرف رخ نہیں کرتا جب تک تمہارے ابرو کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی آرزو نہ کر لوں۔

خوش آن کہ آینه سان رو بہ روی آن پسر اتم
 فروغ حسن ازل پنم و بہ سجدہ در اتم^۳

ترجمہ: کتنا بھلا لگے اگر میں آئینے کی طرح اُس لوٹے کے سامنے رہوں، [اُس میں]
 حسن ازل کا نور دیکھوں اور سجدے میں گر جاؤں۔

اجل رسید و بہ یک سجدہ قبلہ من شو
 کہ این وظیفہ طاعت گزارم و بروم^۴
 ترجمہ: موت آئی، اب تو ایک سجدے کے لیے میرا قبلہ بن جاو کہ میں اپنی عبادت کا
 یہ حق ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہوں۔

کیا ان تمام اشعار میں شاعر کی یہ خواہش عیاں نہیں ہے کہ وہ مسجد کو چھوڑ کر اپنے محبوب کی
 محرابِ ابرو کو سجدہ گاہ بنانا چاہتا ہے، خداے واحد کے حضور نہیں بل کہ کسی خوش شکل لڑکے کے سامنے
 سجدہ ریز ہونا چاہتا ہے، بیت اللہ کو نہیں بل کہ اپنے محبوب کو قبلہ مانتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی شاعر
 اپنے لیے محبوب کے گٹوں کی دُم کا طالب ہے کہ اسے وفا کے طوق کے طور پر اپنی گردن میں ڈال
 سکے:

حلقہٴ دُم سگانت بہ من ارزانی باد
 تاکہ در گردن جان طوق وفای تو کشم^۵

گٹا جسے نجس حیوان قرار دیا گیا ہے، کیا اس کی دُم کا حلقہ انسانی گردن میں آویزاں کرنا انسانیت کے
 شرف کی توہین نہیں ہے؟

ملا شاہ بدخشی کا یہ شعرچوں کہ دارا شکوہ کا پسندیدہ تھا اس لیے فاضل مرتب کے ہاں قابل
 اعتراض ہے (ص ۶۸):

رہتہ تسبیح ما رہتہ زتار شد
 رُو سوی می خانہ دارد مرشد دانای ما

تقریباً اسی مضمون کے چند اشعار جائی کی غزل سے ملاحظہ ہوں:

عمامہ مرا دردِ سر می دہد
 بہ ہر حیلہ آن را ز سر وا کنم
 ز فرقِ خودش بہر دُردی کشان
 فرود آرم و دُرد پالا کنم
 نہم سبجہ زانگشت و خرقہ ز پشت
 بہ آن چہ کہ باید مہیا کنم

بہ سبہ خرم دانہ ای چند نفل
کہن خرقة را رہن صہبا کم ۶

کیا ان اشعار میں عمامہ، تسبیح، خرقة پر جو سب اسلامی تہذیب میں تقدس کی علامات ہیں، شراب کو ترجیح نہیں دی گئی؟ ملاً شاہ بدخشی کے ہاں تسبیح کا دھاگا زُناہ کا دھاگا ہے اور یہاں تسبیح کی بس اتنی قدر و قیمت ہے کہ شاعر اسے بیچ کر ریوڑیاں خریدنے کو ترجیح دیتا ہے اور اپنا خرقة گروی رکھ کر شراب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ص ۲۲۲: شاہ محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی جو تصویر ان کے معاصرین نے دکھائی ہے اس سے ان کی شریعتِ اسلامی سے آزادی و لاطعتی کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز سنسکرت سے فارسی میں ان کی ترجمہ کردہ کتاب بحر الحیات کو ناپسند کیا ہے۔ فاضل مرتب نے یہاں ان معاصرین کے نہ تو نام لکھے ہیں اور نہ ان کی بنائی ہوئی تصویر دکھائی ہے۔ صرف ملاً عبدالقادر بدایونی کا ان کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے: ”چوں کہ شاہ محمد غوث ہندوؤں کی تعظیم میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے لہذا اسے ان کی ملاقات کا اشتیاق نہ رہا اور وہ ان کی ملاقات سے محروم رہا۔“ (یہاں لفظ ”محروم“ قابل غور ہے، یعنی بدایونی کو ایسے شخص سے ملاقات کا احساسِ محرومی بھی ہے)۔ بدایونی نے منتخب التواریخ میں شیخ گوالیاری کی کفار کے لیے تعظیم و قیام کو اس طرح لکھا ہے کہ خدا ہی غیب کا حال جانتا ہے کہ شیخ کی اس سے کیا نیت تھی اور یہ شعر لکھ کر بات کو ختم کر دیا ہے:

چون رد و قبول ہمہ درپردہ غیب است
زنہار کسی را کنی عیب کہ عیب است ۷

فاضل مرتب نے تذکرہ گلزار ابرار میں محمد غوثی مانڈوی (۹۶۲-وفات بعد از ۱۰۲۲ھ / ۱۵۵۵-۱۶۱۳) کی شیخ محمد غوث گوالیاری کے بارے میں رائے کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ یہ تذکرہ فاضل مرتب کے مآخذ میں شامل ہے۔ گلزار ابرار میں مصنف نے شیخ گوالیاری کو ”والی ولایت محمدیہ، مہبط انوار صمدیہ، مظہر اسرار ربّانی، آئینہ کمالین یزدانی“ کے القاب سے یاد کیا ہے اور ان کی مترجمہ بحر الحیات کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ کی یہ کوشش دراصل اس کتاب کی گردن سے زناہ اتار کر اسے توحید اور اسلام کی تسبیح کے دھاگے میں پرونے کے مترادف ہے اور انھوں نے حقیقی ایمان کے غلبات کی طاقت سے اسے تقلید سے چھٹکارا دلا کر صاحبِ تحقیق صوفیہ کے اذکار و اشغال کے مطابق کر

دیا ہے^۸۔

ص ۲۲۶: فاضل مرتب نے ایک فارسی عبارت کو درست نہیں سمجھا اور اس سے اپنے موقف کو مضبوط بنانے کے لیے غلط نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ مُلاً عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ کے حوالے سے شاہ محمد غوث گوالیاری کے رسالہ معراجیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں شیخ گوالیاری نے اپنے آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی ہے۔ اصل فارسی عبارت سیاق و سباق کے ساتھ اس طرح ہے: ”رسالہ شیخ محمد غوث راکہ در آنجا کیفیت معراج خود بیان کردہ، گفتہ کہ در بیداری مرا مجالسہ و مکالمہ با حضرت رب العزّة عزّ شانہ واقع شد و بر حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیم کردند“۔ فاضل مرتب نے فارسی عبارت ”بر حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیم کردند“ کا ترجمہ ”انہیں (شاہ محمد غوث) کو [کذا] حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی گئی“ کیا ہے۔ ”تقدیم کردند“ کا مطلب ”فوقیت دی گئی“ نہیں بل کہ ”پیش کیا گیا“ ہے۔ یہاں قواعد زبان کے اعتبار سے فاضل مرتب نے یہ بات بھی نظر انداز کر دی ہے کہ جب عبارت ”تقدیم کردند“ پر ختم ہوئی ہے تو اس کی ضمیر کیسے شیخ کی طرف راجع ہو سکتی ہے؟ فاضل مرتب کا کیا ہوا ترجمہ ”انہیں (شاہ محمد غوث) کو“ [کذا] بھی یہ ثابت نہیں کرتا کہ خود شیخ گوالیاری نے اپنے آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی، بل کہ [معراج کے وقت جو مخلوق بھی اللہ کے حضور موجود تھی] انہوں نے شیخ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی۔ لیکن لفظ ”تقدیم“ کے حوالے سے اصل بات یہی ہے کہ انہیں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں یہاں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے ایک ہندوستانی فرہنگ اور ایک ایرانی فرہنگ سے ”تقدیم کردن“ کا مفہوم لکھتا ہوں۔ لالہ ٹیک چند بہار نے اپنے لغت میں بذیل ”تقدیم“ لکھا ہے: ”بہ ہر دو معنی، مثل تقدیم، و ایضا در پیش فرستادن و با لفظ ”یاقتن“ و ”کردن“ و ”دادن“ بہ صلہ بر مستعمل“^۹۔ اور لفظ ”تقدیم“ کے ضمن میں لکھا ہے: ”در پیش کردن و شدن و بہ اصطلاح زری کہ پیش از کار بہ کارگر دہند و آن را بہ فارسی ”پیشداد“ گویند“^{۱۰}۔ ڈاکٹر محمد معین نے ”تقدیم کردن“ کا مفہوم تقدیم داشتن اور پیش کش کردن لکھا ہے۔ خود مفرد لفظ ”تقدیم“ میں بھی اس کا یہی مفہوم لکھا ہے: پیش کش کردن، ہدیہ دادن، پیش افکندن، فراپیش کردن، پیش انداختن، پیش کش“۔

ص ۲۷۲: فاضل مرتب نے خواجہ محمد ہاشم کشمی کا سال وفات ۱۰۴۱ھ لکھا ہے۔ یہ سال اس لیے درست نہیں ہو سکتا کہ کشمی نے اپنا رسالہ طرق الوصول فی شریعتہ الرسول ۱۰۴۲ھ میں تصنیف کیا ہے^{۱۱}۔

فاضل مرتب نے خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سال وفات کے تعین میں ایک بحث یہ کی ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (۲۰م شعبان ۱۳۲۶ھ/۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ء) ”خواجہ کشمی کے دیوان سے خواجہ کشمی کا تصنیف شدہ قطعہ سال وصال ۱۰۴۳ھ نقل کر دیتے ہیں کہ خواجہ کشمی یقیناً ۱۰۴۳ھ تک زندہ تھے“ جب کہ بقول فاضل مرتب [ان کے زیر استعمال] دیوان کشمی میں اس قطعے کی عدم موجودگی اس کے الحاقی ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ مجھے یہاں اس بحث کا فاضل مرتب کی ایک اور رائے سے موازنہ کرنا ہے۔ ملاً شاہ بدخشی سے منسوب ایک شور انگیز شعر:

پنچہ در پنچہ خدایہ دارم
من چہ پروای مصطفیٰ دارم

پر بحث کرتے ہوئے فاضل مرتب لکھتے ہیں: ”بعض حضرات نے ملاً شاہ کے اس شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ان کے کلیات میں شامل ہی نہیں ہے لہذا ان سے منسوب کر کے انھیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ بھلا ملاً شاہ اپنے ایسے شعر کو اپنے کلیات میں داخل کیوں کر سکتے تھے جس کی بنیاد پر علماء نے ان کے خلاف فتویٰ دیا تھا“ (ص ۶۹)۔ یعنی کشمی کے معاملے میں جو قطعہ ان کے دیوان میں نہیں ہے وہ الحاقی ہے اور بدخشی کے معاملے میں جو شعر ان کے کلیات میں نہیں ہے وہ ضرور انھی کا ہے! اور اگر ملاً شاہ نے مینہ شعر کو اپنے کلیات میں شامل نہیں کیا تو کیا اس سے ان کی اس شعر سے لاتعلقی کا اظہار نہیں ہوتا؟ علی قلی خان والہ داغستانی (۱۱۲۴-۱۱۷۰ھ/۱۷۱۲-۱۷۵۶ء) نے تذکرہ ریاض اشعراء (فارسی) میں ”عارف ربانی حضرت ملاً شاہ بدخشی“ کے حالات میں اس شعر کی ”کہانی“ بیان کی ہے، میں اس کا اردو ترجمہ احتیاط کے ساتھ پیش کر رہا ہوں :

شاہ جہان کے عہد میں علمائے دہلی نے محضر تیار کیا کہ ملاً شاہ نے اپنے اس بیت (پنچہ ۱۰۰۰خ) میں توہین رسالت کی ہے، لہذا وہ واجب القتل ہے۔ بادشاہ نے علما کا محضر لے کر اپنے پاس رکھ لیا اور کشمیر چلا گیا۔ ایک دن ملاً شاہ کے مکان پر جا کر ان سے ملاقات کی۔ محضر انھیں دکھایا اور پوچھا کیا یہ شعر واقعی آپ کا ہے؟ ملاً نے فرمایا اس شعر سے شرک کی بو آتی ہے، کیوں کہ شعر کہنے والے نے خدا اور مصطفیٰ کے درمیان تفریق کی ہے اور یہ بات میرے مذہب میں شرک ہے۔ ملاً کے اس صوفیانہ جواب سے شاہ جہان کا شک دور ہو گیا اور وہ ان کا معتقد ہو کر اٹھا۔ اس کے بعد وہ جب بھی کشمیر کی سیر کو جاتا ملاً کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت حاصل کرتا۔ شاہ جہان کا بیٹا شہزادہ محمد داراشکوہ، شہزادی جہان آراء بیگم اور باقی شہزادے اور حرم کی کنیزیں بھی ان کی معتقد اور

مرید ہو گئیں۔ بادشاہ کی کشمیر سے واپسی پر وہاں کے فضلاء اور لوگوں نے اجماع کیا کہ مُلّا شاہ نے بادشاہ کو [باتوں سے] مسحور کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ مُلّا شاہ چون کہ الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے لہذا شریعت کی رو سے ان کا خون مباح اور قتل واجب ہے۔ اسی ارادے کی تکمیل کے لیے کچھ لوگ ان کے مکان کی طرف چڑھ دوڑے۔ مُلّا شاہ کے مریدوں نے مدافعت کی کوشش کی تو مُلّا شاہ نے انہیں منع کیا اور خود اٹھ کر حجرے میں جا بیٹھے اور مریدوں سے کہا ان لوگوں کو اندر آنے دو۔ مریدوں نے ایسا ہی کیا اور آنے والوں کو حجرے کا راستہ دکھایا۔ جو کوئی حجرے کے دروازے پر آتا اور اس کی نظر مولانا پر پڑتی تو وہ ”اللہ“ کہہ کر سجدے میں گر جاتا، باقی لوگ اپنے خیال میں ایمان بچا کر چلے گئے!..... مُلّا شاہ کی اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو گی کہ اُمتِ محمدیہ کے مشرک اور اولیائے حق کے مخالف میرزا طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرہ شعرا میں یہ لکھا ہے کہ شاہ جہان بادشاہ کو جسے شیطان بھی راستے سے نہیں بھٹکا سکتا تھا، مُلّا شاہ نے اپنا گرویدہ بنا لیا اور مُلّا شاہ کے اس شعر (پنچہ ۱۰۰۰ الخ) کو ان کی ملعونیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ میرزا نصر آبادی نے دراصل اس طرح مُلّا شاہ کے کمال کا اثبات کیا ہے لیکن خود اس بات کو نہیں سمجھ سکا۔ وہ یوں کہ اگر شاہ جہان کو شیطان راستے سے بھٹکا سکتا تو مُلّا شاہ کا گرویدہ کیسے ہوتا؛ چون کہ شیطان سے یہ کام نہیں ہو سکا، لہذا مُلّا شاہ کا گرویدہ ہو گیا۔ ایک دن محمد شاہ بادشاہ کے سامنے بھی اس شعر کا تذکرہ ہوا۔ بعض امرا نے کہا کہ یہ مسعود بک کا شعر ہے، بعض نے مُلّا شاہ سے منسوب کیا اور بعض نے کسی اور سے؛ لیکن سب اس شعر کے کہنے والے کے کفر پر متفق تھے۔ راقم الحروف [والہ] ادب کی وجہ سے خاموش رہا۔ جب [حاضرین مجلس کی] بے مروّتی حدّ سے گذر گئی تو میری حمیتِ اولیائے حق کی رگ پھڑکی اور کہا کہ اگر شاہی دربار کے حاضرین میں سے کوئی پرندوں اور جانوروں کی زبان سمجھتا ہے تو اشارہ کرے مجھے اس سے بات کرنا ہے۔ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا آیا کوئی بنی نوع انسان پرندوں اور جانوروں کی زبان سمجھ سکتا ہے؟ فقیر نے عرض کیا کہ وحوش بنی نوع حیوانات میں پست درجے کی مخلوق ہیں اور اولیاء اللہ تمام موجودات میں سے انبیاء کے بعد اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں؛ جب جانوروں کی زبان کو نہیں سمجھا جا سکتا تو اولیاء کی زبان کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ عوام الناس کی نانہمی خواص کے کفر کا جواز نہیں بن سکتی۔ عوام الناس اس شعر سے نعوذ باللہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاعر نے توہین رسالت کی ہے، ایسا سمجھنا نہ صرف غلط بل کہ بات کا اُلٹ ہے۔ اس لیے کہ صوفیہ کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ مرید پہلے فنا فی الشیخ، پھر فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ ہو۔ اس میں بھی فنا فی الفنا فی الفنا حاصل کرے۔ ایسا شخص بقائے سرمدی پا گیا اور حدیثِ قدسی ما تقرب الی المتقربون ۱۰۰۰ بی بصر کی حقیقت

متجلی ہوتی ہے۔ پس ایسا شخص / شاعر اپنے مقام کی خبر دے رہا ہے کہ میں ذات محمدی میں فنا ہو گیا ہوں اور اس ذات کو حدیث ”من رأى فقد رأى الحق“ کے مصداق عین حق دیکھتا ہوں اور ان کی مصطفویت کے تعین کا پردہ میری نظر سے ہٹ چکا ہے، پس اس صورت میں اگر عوام الناس گروہ صوفیہ کا محاکمہ کرنا چاہیں تو ان کی مرضی، ورنہ اس شعر کے کہنے والے پر ارباب سلوک کے نقطہ نظر سے کوئی کفر یا غلطی لازم نہیں آتی۔^{۱۳}

فاضل مرتب نے محمد داراشکوہ کی قدح اور اورنگ زیب عالم گیر کی مدح میں تقریباً اپنے انہی خیالات کو دہرایا ہے جو وہ حسانت الحرمین (طبع لاہور، ۱۹۸۱ء) اور لطائف المدینہ (طبع لاہور، ۲۰۰۴ء) کے مقدمے میں پیش کر چکے ہیں۔ حضرات مجددیہ کی داراشکوہ سے مخالفت اور اورنگ زیب کی حمایت تاریخی تناظر میں قابل فہم ہے اور داراشکوہ سے مخالفت محض اس کے ”افکار سوء“ کا معاملہ نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح فاضل مرتب کے بقول ”اورنگ زیب کے لیے احترام و القاب صرف مجددی حضرات نے ہی نہیں لکھے بل کہ دیگر سلاسل کے صوفیہ نے جو القاب اس کے لیے لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ کے قابل ہیں“ (ج ۱، ص ۲۰۳) اسی طرح سب حضرات مجددیہ بھی داراشکوہ کے مخالف اور اورنگ زیب کے موافق نہیں ہیں۔ ہمیں لاہور سے دمشق ہجرت کر جانے والے ایک مجددی مصنف علیم اللہ بن عبدالرشید عباسی حنفی لاہوری (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳-۱۷۶۲ء) کا رسالہ دریائے روح و تیمم نوح پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ مصنف صوفی جمیل بیگ کے مرید تھے، وہ مرید حافظ عبدالغفور پشاوری (م ۱۱۶۶ھ) کے، وہ مرید شیخ سعدی لاہوری (م ۱۱۰۸ھ) کے، وہ مرید شیخ آدم بنوڑی (م ۱۰۵۳ھ) کے، وہ مرید حضرت مجدد کے۔ انھوں نے اپنے اس رسالے میں داراشکوہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ”شاہ زادہ عالی ہمت محمد داراشکوہ برادر اورنگ زیب عالم گیر شاہ ابن شاہ جہان کہ جامع علو قدر و جاہ و نائل گوہر یگانہ معرفت الہ بود و او را در تصوف و توحید رسائل و کتب است نفیسہ کہ بر دعوی صدق وی گواہ عادل می تواند بود“ اور اس کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کے حکم سے داراشکوہ کے قتل کا واقعہ عالم گیر پر ایک گونہ تعریض کے ساتھ لکھا ہے اور ایک ایسا لطیفہ نقل کیا ہے جس میں اورنگ زیب کو ”عالم گیر“ کی بجائے ”بابا گیر“ کہا گیا ہے۔^{۱۴}

ص ۲۷۸: مُلّا شیخ ابراہیم مخزنی (م ۲۹ شوال ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مولانا نظامی گنجوی صاحب مخزن الاسرار کے دو واسطوں سے شاگرد تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مولانا نظامی کا زمانہ ۵۳۰-۶۱۲ھ/۱۱۳۶-۱۲۱۷ء ہے اور مُلّا ابراہیم کا گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی؛ دو واسطوں کے لیے اتنا زیادہ بعد زمانہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

جلد دوم:

یہ جلد اردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ مترجم نے ترجمے کے لیے جو امور پیش نظر رکھے ہیں ان کا اظہار اپنے ابتدائیہ (ص ۷) میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے مکرر مضامین اور باتوں کو ترجمہ کرتے وقت نظر انداز کر دیا ہے اور اشعار کے معاملے میں بھی صرف ضروری اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے، بقول ان کے یہ ترجمہ لفظی نہیں بل کہ با محاورہ ہے اور اکثر مقامات پر سختی سے مصنف کے الفاظ کی پیروی کی گئی ہے۔

مترجم کی ان وضاحتوں کی روشنی میں جب راقم السطور نے اس جلد کا جائزہ لیا اور اسے اصل (فارسی متن) کے ساتھ ملایا تو صورت حال مختلف اور غیر تسلی بخش پائی۔ بعض اوقات مترجم کی ذاتی پریشانی یا وقتی کوتاہی سے کسی ایک آدھ مقام پر ترجمے میں سقم رہ سکتا ہے اور انسانی کمزوری کے پیش نظر یہ کوئی بعید بھی نہیں؛ لیکن اس ترجمے میں اسقام ہر جگہ موجود ہیں۔ میں نے اس جلد کے اول، وسط اور آخر کے کچھ حصے منتخب کر کے انھیں اصل کے ساتھ ملایا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں:

الف: ترجمہ اصل کے مطابق نہیں ہے؛

ب: جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ بھی زبان و بیان اور انتخاب الفاظ کے نقطہ نظر سے قابل رشک نہیں ہے؛

ج: بہت کچھ چھوڑ دیا گیا ہے، یہ ان مکررات کے علاوہ ہے جن کی نشان دہی مترجم نے نقطے (۰۰۰) لگا کر کی ہے؛

د: محذوفات کی ہر جگہ نشان دہی نہیں کی گئی ہے (جیسا کہ مترجم نے لکھا ہے کہ انھوں نے ایسے تمام مقامات پر نقطے (۰۰۰) لگا دیے ہیں)۔

اب اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ یہاں ”متن“ سے مراد مقامات معصومی کی جلد سوم اور ”ترجمہ“ سے مراد جلد دوم ہے۔ ہم نے بعض جگہ ترجمے پر تبصرہ کیا ہے، بعض جگہ اصل اور فاضل مرتب کا ترجمہ نقل کر کے اپنا ترجمہ تجویز کیا ہے۔

متن/۱۶: ”حالات عجیبہ و کرامات غریبہ ۰۰۰ تو اند زد“ کا ترجمہ کسی صراحت کے بغیر قلم انداز ہو گیا ہے۔

ترجمہ/۱۷، ۱۸: مترجم نے مصنف کی والدہ کا ذکر صیغہ ماضی میں کیا ہے (سرہند میں رہیں، فرمایا

کرتی تھیں، بیان کرتی تھیں، سنایا کرتی تھیں، میں مسرور ہو جاتا تھا)، جب کہ مصنف نے ہر جگہ صیغہ حال استعمال کیا ہے جس سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ مقامات معصومی کی تصنیف کے وقت وہ حیات تھیں۔ معلوم نہیں مترجم نے صیغہ حال کو صیغہ ماضی میں کیوں بدل دیا ہے؟

متن ۱۸: ”بچ کس از رجال و نساء نماوندہ مگر آن جای خود بے جای گشتہ بہ صد حیرت و پشیمانی سر از پا نہ شناختہ راہ فرار اختیار کردہ“۔

ترجمہ ۱۹: ”وہاں کوئی مرد و عورت نہ رہی لیکن آپ (والدہ مصنف) نے وہاں سے کہیں جانا پسند نہ کیا اور نہ ہی سخت پریشانی سے گھٹنوں میں سر دیا اور نہ ہی راہ فرار اختیار کی“۔

مجوزہ ترجمہ: مرد و زن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو گھر سے بے گھر نہ ہوا ہو اور جس نے بصد حیرت و پشیمانی راہ فرار اختیار نہ کی ہو۔

متن ۱۸: ”ایشان خود را بر مصحف انداختند و خود را با تنزیل ازان بے دولتان پنہان ساختند۔ بہ نیازمندی کمال مجرا نمود چیزی نیاز گذرانیدند و بر تلاوت قرآن مجید تسلیبا [بدل: تسلیہا] نمودند کہ بہ جمعیت خاطر خود ہا می خواندہ باشند“۔

ترجمہ ۱۹: ”آپ نے خود کو مصحف شریف میں چھپا لیا (پردہ کر لیا)، وہ بڑی نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لائے اور نیاز کے طور پر کچھ پیش بھی کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کو جمعیت خاطر کے ساتھ جاری رکھا“۔

مجوزہ ترجمہ: انھوں نے خود کو قرآن مجید کے اوپر گرا لیا اور اپنے آپ کو اس طرح گرا لینے سے قرآن کو ان بے دینوں سے چھپا لیا۔ وہ بڑی نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لائے اور نیاز کے طور پر کچھ پیش بھی کیا اور تلاوت قرآن مجید کے لیے تسلی دی تا کہ وہ جمعیت خاطر کے ساتھ قرآن پڑھتی رہیں۔

متن ۱۸: در خاتم مہر ایشان منقش بود ”بشارت فضلیان میرساند ذالک فضل اللہ“

ترجمہ ۲۰: ”آپ کا نام آپ کی مہر میں اس طرح منقوش ہے ”ذالک فضل اللہ“۔

مترجم نے صحیح کی آدھی عبارت چھوڑ دی ہے۔

متن ۲۲: ”روزی [ناصر علی سرہندی] بہ پور مہینہ خویش ۰۰۰ را نصیحت پیش گرفتہ و این سخنان باو خاطر نشان می نمود کہ ہر چہ از معاصی صغائر و کبائر از تو بہ ظہور آید آن را گناہ دانستہ تدارک کفارت

او نہاد بہ روضہ مطہرہ حضرت ایشان خواہی نمود اما ازان روضہ منورہ روی نیاز نہ خواہی گذرانید کہ کفر ہمین است، کفر ہمین است، کفر ہمین است۔“

ترجمہ ۲۳: ”ایک روز ۰۰۰ [ناصر علی سرہندی نے] اپنے بڑے بیٹے (علی عظیم) کو یہ نصیحت کی اور ان کی ان باتوں سے یہ نشان دہی ہوئی کہ اگرچہ چھوٹے بڑے سب گناہوں سے توبہ کی توفیق میسر آچکی ہے، لیکن پھر بھی گناہوں کی کفارت حضرت خواجہ کے روضہ منورہ سے کرنی چاہیے، اگر روضہ مطہرہ سے نیازمندی کا اظہار نہ کیا جائے تو یہی کفر ہے۔“

مجوزہ ترجمہ: ایک روز ۰۰۰ [ناصر علی سرہندی نے] اپنے بڑے بیٹے (علی عظیم) کو یہ نصیحت کی اور اسے یہ بات سمجھائی کہ تم سے جو چھوٹے بڑے گناہ سرزد ہوں گے انھیں گناہ ہی سمجھنا اور ان کے کفارے کے لیے حضرت خواجہ کے روضہ مطہرہ سے رجوع کرنا ہوگا، اگر تم ان کے روضہ منورہ سے نیازمندی کا اظہار نہیں کرو گے تو یہی کفر ہے، یہی کفر ہے، یہی کفر ہے۔

متن ۱۲۳: خوب در حافظہ نماندہ کہ ۰۰۰ چنانچہ از جناب حضرت مجدد ۰۰۰ مسموع گشتہ و یا خارج نمازی خواندند ۰۰۰ ہمون حکم مسجد گرفتہ بود۔“

ترجمہ ۱۸۱: ”میرے حافظے میں یہ بات اچھی طرح ہے ۰۰۰ چنانچہ حضرت مجدد ۰۰۰ کی طرف سے سنا ہے یا نماز سے خارج ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔“

مجوزہ ترجمہ: ٹھیک سے میرے حافظے میں یہ بات نہیں ہے کہ ۰۰۰ جیسا کہ حضرت مجدد ۰۰۰ سے سنا ہے؛ یا نماز سے باہر پڑھتے تھے۔

مترجم نے ”ہمون حکم مسجد گرفتہ بود“ کا ترجمہ قلم انداز کر دیا ہے۔

متن ۲۱۸: بادشاہ خلد مکان در بلدہ اکبر آباد در موسم برشگال بہ قصد شکار بالای کشتی آب جمنہ در عین طغیان آب سوار گردیدہ روانہ شدند۔ پدرش با یکی از کلان ترآن کفار نکون [کذا] سار اسپان را بجهت استعجال مجرا در دریا انداختہ، جملہ الملکی اسد خان کہ در آن وقت کس [کذا] بادشاہ تیر انداز دور دیدہ بہ عرض پایہ خلافت رسانید، باشارت دست منع بلغ نمودند کہ وقت جہالت نیست، مجرای شما شدہ، ازین جا برگردیدہ شجاعت و جوانمردی را کار فرمودہ قبول اشارت نہ نمودہ متوجہ پیش شدند۔ چون وسط بحر رسیدہ ناگاہ موجی تند از روی شمال بہ قسمی می رسد کہ از خانہ [کذا] زین جداساختہ غریق قلزم می گرداند۔ در عین فرو بردن آب در خاطر پدر خان مذکور یاد حضرت ایشان جوش می زند۔ می بیند کہ

حاضراندومی فرماید کہ ورزش ذکر نفی و اثبات داری جس نفس نمودہ بان ذکر مشغول می بود۔ علی بند پسر را بریدہ بہ گزار [کذا]۔ ہچنان کرد، پسر بالای آب می شود، بادشاہ کشتی را ایستادہ کردہ بہ خواصان و آب بازان حکم فرمودہ بود کہ اگر این مقل [کذا؛ نسخہ بدل: مقل (کذا)] را بر آرید مستحق چندین انعام می گردید۔“

ترجمہ ۲۸۸: ”موسم برسات میں اورنگ زیب اکبر آباد میں شکار کی غرض سے دریائے جمنا میں سخت طغیانی کے دوران کشتی پر سوار ہو کر نکلے تو اس وقت ایک کافر بد بخت نہایت تیزی کے ساتھ آداب مجرا کے لیے دریا میں چلا گیا۔ جملۃ الملکی اسد خان، جو کہ بادشاہ کی نگرانی پر مقرر تھا، اسے منع کیا، لیکن وہ نہ مانا تو خان مذکور (کے والد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا) وہ گھوڑے کی زین سے الگ ہو کر دریا کے وسط میں شمال سے آنے والی ایک تند موج کی زد میں آکر غرق ہونے لگا تو اس وقت اس کے ذہن میں حضرت خواجہ کی یاد آئی، اس نے دیکھا کہ حضرت حاضر ہیں اور فرماتے ہیں کہ فوراً نفی و اثبات کا ذکر جس نفس کے ساتھ کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو وہ پانی کے اوپر آ گیا۔ بادشاہ نے کشتی کو سیدھا کیا اور غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ اس مقل کو باہر نکال لائیں تو انعام کے مستحق ہوں گے۔“

اصل کو سامنے رکھتے ہوئے، اس ترجمے پر کسی قسم کے تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ مزید تعجب ہے کہ مترجم نے متن کی مہمل عبارتوں (جیسے: درآن وقت کس بادشاہ تیرانداز دور دیدہ ؛ از خانہ زین جدا ساختہ ؛ علی بند پسر را بریدہ بہ گزار؛ گر این مقل را بر آرید) کا ترجمہ بھی صفائی سے کر دیا ہے!

متن ۲۲۰: ”گرنگی با تشنگی مرافتت ورزیدہ“۔

ترجمہ ۲۹۰: بھوک اور پیاس میری عادت کا حصہ بن گئی تھیں۔“

مجوزہ ترجمہ: بھوک کے ساتھ پیاس بھی آ ملی۔

متن ۲۶۷: ”آن قدر غلبہ تہتر مرا در خوف انداختہ است کہ در نوشتن این قدر اسرار ہم آیا مرضی اظہار باشد یا نہ؟“

ترجمہ ۳۴۶: ”(فرماتے تھے کہ) کہ [کذا] ستر حال کے اس قدر غلبے نے مجھ میں اس امر کا خوف پیدا کر دیا ہے کہ کہیں اتنے اسرار کا لکھنا (اللہ تعالیٰ) کی رضا ہے یا نہیں؟“

یہاں ”فرماتے تھے“ کا اضافہ کر کے مترجم نے یہ تاثر دیا ہے گویا یہ شیخ صبغت اللہ کا بیان ہے۔

حالاں کہ یہ خود مصنف کا اپنا بیان ہے۔ مترجم نے جس امر کو اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا پر محمول کیا ہے، وہ دراصل شیخ صبغت اللہ کی رضا یا عدم رضا پر محمول کیا جانا چاہیے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ صبغت اللہ ستر احوال کا اہتمام کرتے تھے، مصنف نے ان کے حالات مقامات معصومی اور معدن الجواہر میں رقم کیے ہیں، لیکن ساتھ ہی انھیں خوف تھا کہ ان کے حالات لکھنا شاید شیخ کی مرضی کے خلاف ہو۔

متن ۲۶۷: ”برفرق ثنا یافت، مانا کہ در حین نزول ملہم گردیدہ کہ“۔

ترجمہ: ”ہاں وہ نزول کے دوران مدہم ہو گیا تھا“۔

”برفرق ثنا یافت“ کا ترجمہ قلم انداز ہے اور بقیہ جملے کا ترجمہ سراسر غلط ہے، ترجمہ یوں ہونا چاہیے: ”جیسے نزول کے دوران الہام ہوا کہ“۔

متن ۲۷۳: ”چہ مرضی القلوب در ہر وقتی از اوقات انبیاء و اولیاء گشتہ اند“ کا ترجمہ قلم انداز

ہوا ہے۔

متن ۲۷۴: ”استفسار وقت طعام نمودند، عرض کردم: چاشت گاہ، فرمودند همان وقت چیزی نخواہد

رسید... اشتہا برگشتہ“۔

ترجمہ ۳۵۶: ”مجھ سے کھانے کا وقت دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ صبح کا ناشتا، اس پر

فرمانے لگے کہ ابھی کچھ نہ کچھ آنے والا ہے... بھوک پوری شدت اختیار کر گئی“۔

مجوزہ ترجمہ: مجھ سے کھانے کا وقت دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا: چاشت کے وقت، فرمایا:

ٹھیک ہے، اسی وقت کچھ نہ کچھ آ جائے گا... بھوک بالکل مٹ گئی۔

متن ۲۷۵: ”اصلاً قصد از گذشتانیدن نیاز لمحوظ مطلبی نہ بودہ“۔

ترجمہ ۳۵۸: ”در اصل اس کا نیاز پیش کرنا محض مطلب کے لیے تھا“۔

مترجم نے الٹ ترجمہ کیا ہے۔

مجوزہ ترجمہ: نیاز پیش کرنے کا مقصد در اصل کسی مطلب کے لیے نہ تھا۔

متن ۳۸۳: ”یک بار قبلہ ابرار متوجہ باجوڑ بودند، روزی کہ [بہ] آب نہر کہ یک مرحلہ از باجوڑ

این طرف باشد، رسیدند... فردایش بہ ممت داری تمام مقام کنانیدہ معروض داشتند کہ این قریہ بالای

کوہی است... متصل این دیہ نہری بود... بہ فرحت شکر گویان برخاستند... چند روز دیگر مقام کنانیدہ رخصتِ باجوڑ نمودند۔

ترجمہ/۵۰۰: ”ایک بار وہ قبلہ ابرار... باجوڑ گئے، وہاں ایک روز آپ اس نہر کی طرف بھی گئے جو (قصبہ باجوڑ سے) ایک مرحلہ کے فاصلہ پر تھی... عرض کیا یہ قصبہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے... اس کے قریب واقع ایک گاؤں میں نہر بہتی تھی... شکر گزار حضرات کو خوشی ہوئی... حضرت وہاں مزید چند روز قیام کر کے وہاں سے واپس تشریف لائے۔“

مذکورہ بالا ترجمے سے یہ تاثر ملتا ہے گویا یہ سارا واقعہ باجوڑ میں پیش آیا، حالاں کہ یہ باجوڑ سے ایک منزل پہلے مقام پر پیش آیا۔

مجوزہ ترجمہ: ایک بار وہ قبلہ ابرار باجوڑ کی طرف جا رہے تھے، جس روز آپ اس نہر پر پہنچے جو باجوڑ سے ایک مرحلے کے فاصلے پر اس طرف واقع ہے... اگلے روز انہیں بالاصرار ٹھہرا کر عرض کیا کہ یہ گاؤں پہاڑ کے اوپر ہے... اس گاؤں سے متصل ایک نہر بہتی تھی... خوشی سے شکر ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے... حضرت کو وہاں مزید چند روز ٹھہرایا اور پھر باجوڑ کے لیے رخصت کیا۔

متن/۴۰۵: ”والدہ ماجدہ ایشان در روایای صالحہ کہ جزوی است از اجزای نبوت، خود را بہ شان تمام امام جمعی از خلائق دیدہ۔ بامداد بعرض حضرت مجدّد... رسانیدہ تا بہ احسن تعبیر مژدہ دولت افزا فرمایند۔“

ترجمہ/۵۲۹: ”ان کی والدہ ماجدہ نے ایک نیک خواب دیکھا کہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز نے خود ہی کامل شان کے ساتھ امام جمعہ کی طرف دنیا میں ظہور کیا ہے۔ انہوں نے حضرت مجدّد... کی خدمت میں عرض کی تاکہ آپ اس کی کوئی اچھی سی تعبیر بتا کر آنے والی دولت کی خوشخبری سنائیں۔“

مذکورہ ترجمے میں مترجم نے ایک جملہ معترضہ کو اصل مطلب قرار دے کر مفہوم کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ مصنف نے روایے صالحہ (نیک خواب) کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہے۔

مجوزہ ترجمہ: ان کی والدہ ماجدہ نے ایک نیک خواب میں۔ جو اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہے۔ خود کو تمام شان کے ساتھ خلقت کا امام دیکھا، اگلی صبح یہ خواب حضرت مجدّد... کی خدمت میں

سنایا تا کہ وہ کوئی اچھی سی تعبیر کر کے سعادت افزا خوشخبری سنائیں۔

متن ۴۱۵: ”گویند در شدت آزار کہ همان روز یا یک روز بعد رحلت ازین دار فرمودند، نبیره ایشان شیخ انوار اللہ بہ امید اخذ فوائد جدیدہ در خدمت پُر بہجت از حضرت سرہند رسیدند و فرمودند: بی خبر! دیر رسیدی، در منزل بستند۔ و فرزند اکبر ایشان ۰۰۰ شیخ ابو حنیف در آن روز کہ تابوت شریف ایشان بہ پانی پت می رفت، در اثناء طریق در خورد، چہ آن معرفت آگاہ بہ قصد ملازمت والد بزرگوار خود متوجہ شاہ جہان بودہ“۔

ترجمہ ۵۴۲: ”کہتے ہیں کہ مرض کی شدت کے باعث اسی روز یا وفات سے ایک روز بعد آپ کے پوتے شیخ انوار اللہ فوائد جدیدہ حاصل کرنے کی غرض سے سرہند شریف سے روانہ ہوئے کہ آپ کی خدمت میں جاؤں، فرمانے لگے کہ بے خبر دیر سے آیا ہے، وہ پہلی منزل پر ہی رک گئے۔ آپ کے بڑے بیٹے ۰۰۰ شیخ ابو حنیف اس روز آپ کا تابوت شریف لے کر پانی پت پہنچ چکے تھے وہ معرفت دستگاہ اپنے والد سے ملاقات کے لیے شاہ جہان آباد کا قصد رکھتے تھے“۔

یہ ترجمہ کس قدر نفس مضمون سے دُور اور مصتف کے منشاء کے برخلاف ہے۔ زیر بحث عبارت میں شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل کا تذکرہ ہے اور انہی کے شدت مرض کی بات ہو رہی ہے جسے مترجم نے ان کے پوتے کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ ”وہ پہلی منزل پر ہی رک گئے“ فارسی عبارت ”در منزل بستند“ کا عجیب و غریب ترجمہ ہے۔ مترجم نے شیخ عبدالاحد کے بڑے بیٹے کو آپ کا تابوت لے کر پانی پت جاتے ہوئے بتایا ہے اور ساتھ یہ جملہ بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے ملاقات کرنے شاہ جہان آباد جانا چاہتے تھے، تو اس عبارت کا کیا مفہوم نکلا؟

مخوضہ ترجمہ: کہتے ہیں کہ [شیخ عبدالاحد کی] بیماری کی شدت [مرض الموت کی شدت بھی ترجمہ ہو سکتا ہے] میں۔ اسی روز یا اس سے ایک روز بعد انتقال فرمایا۔ ان کے پوتے شیخ انوار اللہ ان سے فوائد جدیدہ حاصل کرنے کی امید سے سرہند شریف سے [شاہ جہان آباد] پہنچے۔ شیخ عبدالاحد نے فرمایا: بے خبر! دیر سے پہنچے ہو، گھر کا دروازہ بند کیا جا چکا ہے [یعنی ان کا وقت قریب آ گیا ہے] اور ان کے بڑے بیٹے ۰۰۰ جس روز شیخ عبدالاحد کا تابوت شریف پانی پت لے جایا جا رہا تھا، راستے میں مل گئے، کیوں کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے ملاقات کی غرض سے شاہ جہان آباد جا رہے تھے۔

متن ۴۱۵: ”آری صاحب خندیدند۔ فرمودند بہ قسم مؤکد سازید! آنہا قسم خوردند۔ من ہم گفتم کہ خندہ صاحب در وقت متصل گشتن بہ تابوت، من ہم دریافتہ بودم“۔

ترجمہ ۵۴۲: ”دیکھو صاحب ہنس رہے ہیں۔ میں نے بھی تصدیق کی کہ ہنسی تابوت میں سے آرہی ہے۔“

مجوزہ ترجمہ: ہاں! صاحب ہنسے تھے۔ فرمایا: قسم کھا کر بتاؤ! انھوں نے قسم کھائی۔ میں نے بھی کہا کہ تابوت سے متصل ہوتے وقت میں نے بھی صاحب کی ہنسی سنی تھی۔

بعض مقامات پر مترجم نے ترجمہ اس قدر لفظی کیا ہے کہ سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ با محاورہ ترجمے کے مدعی ہیں۔ یہ مثال ملاحظہ ہو:

متن ۴۵۳: ”بہ کلبہ احزان تشریف شریف ارزانی داشتند ۰۰۰ از ہر دو مرقد مبارک عنایات مفہوم گردیدہ کہ بیان تفصیل آن بی اجازت ملائم نیست۔“

ترجمہ ۵۹۱: ”آپ اس حزن کے شہر میں تشریف فرما ہوئے ۰۰۰ دونوں مزارات ۰۰۰ سے عنایات کا مفہوم ہوا جن کی اجازت کے بغیر تفصیل بیان کرنا نامناسب نہیں ہے۔“

یہاں ”کلبہ احزان“ در اصل شیخ محمد باقر لاہوری کے گھر کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ”حزن کا شہر“ کیا گیا ہے۔ بقیہ ترجمے کا گجٹک پن خود عیاں ہے۔

متن ۴۸۲: ”وی در کسوت دولت، معرفت بدست آورد۔“

ترجمہ ۶۲۱: ”(میر رفعت بیگ کو) معرفت کی دولت میسر آگئی۔“

مصنف کی تاکید اس بات پر ہے کہ میر رفعت بیگ نے ”کسوت دولت“ [شاہی لباس/شاہی ملازمت] کے باوجود معرفت حاصل کی۔ مترجم نے ”کسوت دولت“ کو قلم انداز کیا ہے اور ”دولت“ کو ”معرفت“ کے ساتھ ملا دیا ہے۔

متن ۴۸۲: ”بہ خاطر یکی از خلفاء۔ کہ ذکر او در کتبخانہ آئندہ مشروح گردد۔ قرار گرفت کہ در تحت قلم درآید و فتح خزینہ آن عزیز بہ قدر حوصلہ و دریافت خود نماید، در این اثنا گونہ غیبی روی داد کہ بہ انواع لذات آراستہ و ہر لذتی از غایت لطافت و با نشاۃ بی کیفی ساختہ می شد کہ حضرت ایشان تشریف حضور بہ کمال عنایت و سرور دارند و یکی از مخلصان بہ لباس فاخرہ بہ صورت مغلیہ حاضر۔ بعد از مکالمات قدسیہ در فضل این مقامات بہ زبان مبارک آوردہ و بہ بشارات عمدہ راقم آن را نواختہ می فرمایند کہ رفعت بیگ از یاران مخصوص است و ہمہ وقت حاضر الخدمت بہ کمال حلاوت می باشد، چنانچہ حالا ہم رفیق

است و اشارت بہ آن مغل می نمایند کہ ہمیں است و بہ فنا و بقا رسیدہ و از ظل بہ اصل رویدہ [؟]، کار را باعتبار رسانیدہ چرا در این کنز احوال وی مشروح نہ شود و اگر زیادتی معلوم شما نہ باشد۔ پس نقل یک مکتوبی از مکتوبات شریفہ کہ بنام وی اند باید برداشت کہ از مریدان قدیمی است و رفعت بیگ ہم [با] بشارت و فرخندگی جانب فقیر منکریت [کذا: بنگریست] و التماس محضرت ایشان می نمود کہ این فدوی را لیاقت آن مرتبہ کجا است کہ در خلفاء والا مقام معدوم [کذا: معدود] شوم، می فرمایند کہ شما از مقبولان احباب مایند [کذا: مایید]۔ ازین قبیل امور دیگر ہم مفہوم گردید، پس باعتبار این معلوم گردید کہ دید ہر کس بر صاحب معاملہ حجت است، ترقیم این احوال از واجبات امتثال گشت۔“

ترجمہ ۲۸۲: ”ایک مرتبہ حضرت خواجہ کمال سرور میں تھے کہ ایک مخلص مغلوں کی صورت میں لباس شاہانہ (فاخرہ) میں حاضر ہوا، مکالمات قدسیہ کے بعد اس نے ان مقامات (کتاب حاضر) کے فضل کے بارے میں بیان شروع کیا اور اس راقم (مؤلف) کو عمدہ بشارتوں سے نوازا، پھر فرمایا کہ میں رفعت بیگ حضرت خواجہ کے اصحاب مخصوص میں سے ہوں، پھر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مغل جو فنا و بقا تک پہنچا ہے میں ہی ہوں، پھر ظل سے اصل کی طرف آئے اور اعتبار حاصل کیا۔۔۔۔۔ اس لیے ان کے نام مکتوب شریفہ میں ایک مکتوب یہاں نقل کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ انکسار کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔۔۔ تم (مؤلف) میرے مقبول احباب میں سے ہو۔“

مترجم نے فارسی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت کچھ جملوں کو قلم انداز کر دیا ہے اور بقیہ عبارت میں بھی ایسا اسلوب اپنایا ہے جو مقصود مصنف نہیں ہے۔ مثلاً ترجمے میں بتایا گیا ہے کہ اس مغل نے مقامات (کتاب حاضر) کی تعریف کی، حالانکہ یہ تعریف خواجہ محمد معصوم کہ زبان سے ہے؛ مترجم نے رفعت بیگ کی زبان سے کہلویا ہے کہ وہ رفعت بیگ ہے اور حضرت خواجہ کے اصحاب میں سے ہے، جب کہ اصل میں خواجہ محمد معصوم مصنف کو بتا رہے ہیں کہ یہ رفعت بیگ ہے اور ہمارے اصحاب میں سے ہے؛ ”انکسار کرتے ہوئے فرمایا“ مترجم نے اس جملے کا مخاطب مصنف کو رکھا ہے، جب کہ اس کے مخاطب خواجہ محمد معصوم ہیں؛ ”تم (مؤلف) میرے مقبول احباب میں سے ہو“ یہاں بھی مترجم نے ”تم“ کا مخاطب غلط قرار دیا ہے۔ تم سے مراد یہاں رفعت بیگ ہیں۔

جلد سوم:

یہ جلد فارسی متن پر مبنی ہے اور اصل کار ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا فاضل مرتب نے دو قلمی نسخوں کا تقابل کیا ہے۔ بقول مرتب دونوں نسخے کتابت کی غلطیوں سے پُر ہیں جن کی نشان دہی

تقابل کے دوران کر دی گئی ہے (جلد ۱، ص ۳۷۷)۔ مغلوں نسخوں کی بنیاد پر کسی متن کی تدوین و تصحیح میں جو مشکلات پائی جاتی ہیں وہ اس نوعیت کا کام کرنے والوں پر عیاں ہیں۔ یہ مشکل اس وقت دو گونہ ہو جاتی ہے جب اسی مغلوں متن سے ترجمہ بھی کرنا ہو۔ فاضل مرتب نے اگرچہ مقامات معصومی کے فارسی متن کی تدوین میں اپنی بہترین کوشش صرف کی ہے، لیکن چند ایک بدبہی باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے، جیسے:

الف۔ پوری کتاب میں کہیں رموز اوقاف (punctuation) کا اہتمام نہیں ہوا ہے اور فاضل مرتب بغیر نقطہ اختتام (period) کے عبارتیں مسلسل لکھتے چلے گئے ہیں۔ جدید دور میں رموز اوقاف کے بغیر کتاب مرتب کرنا مخطوطہ نویسی کے دور کی یاد دلاتا ہے جب کاتب نہ پیرا بندی کرتے تھے، نہ رموز اوقاف سے کام لیتے تھے۔ فاضل مرتب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے تھا۔ یہاں ایک نمونہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:

”روزی حضرت ایشان ۰۰۰ در ایام خرد سالی حضرت والدہ ماجدہ راقم سیاہ کار را سلمہا رہتا پرسیدند کہ از دادہ چه بہتر باز خود جواب تعلیم فرمودند بگو کہ گفتا کہ طعام باز پرسیدند کہ از نادادہ چه بہتر باز خود تلقین جواب فرمودند کہ بگو گفتا دشنام باز پرسیدند کہ از خوردہ چه بہتر خود تعلیم جواب فرمودند بگو کہ گفتا کہ غضب باز پرسیدند کہ نادادہ چه بہتر باز جواب آن تلقین فرمودند بگو گفتا کہ حرام من حیث المجموع چنان می شود از دادہ چه بہتر گفتا کہ طعام نادادہ چه بہتر گفتا دشنام از خوردہ چه بہتر گفتا کہ غضب ناخوردہ چه بہتر گفتا کہ حرام“۔

اسی پیراگراف کو رموز اوقاف کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

روزی حضرت ایشان ۰۰۰ در ایام خرد سالی حضرت والدہ ماجدہ راقم سیاہ کار را - سلمہا رہتا۔ پرسیدند کہ از دادہ چه بہتر؟ باز خود جواب تعلیم فرمودند: بگو کہ گفتا کہ طعام۔ باز پرسیدند کہ از نادادہ چه بہتر؟ باز خود تلقین جواب فرمودند کہ بگو گفتا دشنام۔ باز پرسیدند کہ از خوردہ چه بہتر؟ خود تعلیم جواب فرمودند: بگو کہ گفتا کہ غضب۔ باز پرسیدند کہ نادادہ چه بہتر؟ باز جواب آن تلقین فرمودند: بگو گفتا کہ حرام۔ من حیث المجموع چنان می شود: از دادہ چه بہتر؟ گفتا کہ طعام؛ نادادہ چه بہتر؟ گفتا: دشنام؛ از خوردہ چه بہتر؟ گفتا کہ غضب؛ ناخوردہ چه بہتر؟ گفتا کہ حرام۔

ب۔ فارسی افعال سے پہلے ”بہ“ کو زیادہ تر الگ لکھا ہے، جیسے: بہ گزار (۲۱۸)؛ بہ خورد و بہ حسپید (۲۶۶)، بہ روند (۳۸۳) یہ ہمارے قدام کی روش ہے، اب ”بہ رب“ کو فعل کے ساتھ ملا کر لکھا

جاتا ہے: بگزار؛ بخورند، بخشید، بروند۔

ج۔ نونِ نئی [ن] کو افعال سے متصل ہونا چاہیے، اس کا خیال بھی نہیں رکھا گیا اور فاضل مرتب نے قدما کی روش کے مطابق اسے ”نہ“ کی صورت میں علیحدہ لکھا ہے، جیسے: نہ شناختہ (۱۸)

د۔ پوری کتاب میں نونِ اعلان کو نونِ غنہ کتابت کروایا گیا ہے۔ ص ۵ سے چند مثالیں: چناں؛ ازیں؛ ہماں؛ توآن، دریں، رسولاں، قبولاں۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا، قلمی نسخوں میں تو ایسا نہیں تھا۔ اگر یہ طریقہ برصغیر یا اردو کے موجودہ تلفظ کے زیر اثر اختیار کیا گیا ہے تب بھی صحیح نہیں ہے۔

ھ۔ بعض جگہ اضافت کے لیے ہمزہ (ء) استعمال کیا گیا ہے، مثلاً: توجہ حضرت (۲۵۹)؛ معنی بقا (۳۳۹)؛ عاصی دل (۳۴۲)؛ عاصی دور از کار (۳۴۷)؛ سواری فیل (۳۶۵)؛ رباعی عربی (۳۹۱)۔ اس طرح کی اضافتیں باقی جلدوں میں بھی موجود ہیں مثلاً: تجلی ذات (۳۹۲)۔ یہ املا غلط ہے۔ ایسے تمام مقامات پر کسرہ (.) درکار ہے۔

و۔ ایک ایسا فارسی متن جو بارہویں صدی کے اوائل میں تصنیف ہوا اور قدامتِ زبان کے اعتبار سے چنداں اہمیت نہیں رکھتا، تقابل کے دوران حاشیے میں اس کے نسخوں سے کتابت کی اغلاط کی نشان دہی/اختلاف نسخ کا اہتمام بے سود ہے۔ کاتبوں کے واضح سہو ہائے قلم کو حاشیے میں دہرانا کسی علمی مشکل کا حل نہیں ہے۔ مثلاً:

ص ۲۱۸ پر متن میں ایک لفظ ”مقل“ کتابت ہوا ہے اور اختلاف نسخہ میں ”معل“ دیا ہے؛ یہ دونوں سہو کتابت اور بے معنی ہیں، فاضل مرتب نے جلد دوم میں اسی لفظ کا ترجمہ ”مغل“ کیا ہے گویا یہ نہ ”مقل“ ہے نہ ”معل“ بل کہ ”مغل“ ہے، اگر ایسا ہی تھا تو اسے متن میں رکھا جاتا اور حاشیے میں کاتبوں کے سہو قلم کی طرف اشارہ کر دیا جاتا۔

ص ۲۷۴ پر متن میں ”بڑی“ (بکری) صحیح لفظ موجود ہے، حاشیے میں اس کا نسخہ بدل ”بڑی“ دیا گیا ہے! جو محض کتابت کی غلطی ہے۔

ص ۳۲۹ پر متن میں ایک نام علی مردان خان آیا ہے اور یہی صحیح ہے، لیکن حاشیے میں ایک مہمل نام ”علی مران“ بدل کے طور پر دکھایا گیا ہے!

ایسے نسخہ بدل کسی قدیم لغت یا قدیم کتابت شدہ نسخے یا بہت قدیم متن کے بارے میں تو مفید ہو سکتے ہیں جس سے شاید ماہرین لسانیات کو تلفظ یا لہجے سے متعلق کوئی نیا نکتہ ملنے کا امکان ہو، لیکن جو

مثالیں ہم نے پیش کی ہیں (اور مزید بھی پیش کی جا سکتی ہیں) وہ سب مہملات کے زمرے میں آتی ہیں اور ان سے کسی قسم کا کوئی علمی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔

اب صحیح متن کا ایک جائزہ لیتے ہیں اور کچھ ایسے مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں فاضل مرتب نے ٹھیک طرح نہیں پڑھے یا اس ایڈیشن کے کاتب کا سہو قلم ہے اور پروف خوانی میں نظر سے اوجھل رہے ہیں۔ فاضل مرتب نے جن قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے وہ میرے سامنے نہیں ہیں، اس لیے میری تمام تصحیحات قیاسی ہیں۔ اہل علم ان پر غور فرمائیں گے تو شاید میری تائید کریں گے:

ص ۱۹: مصنف نے اپنی ایک کتاب منظر اولوالالباب کا ذکر کیا ہے اور اس رعایت سے اس کے ابواب کو ”منظر“ کا نام دیا ہو گا لیکن کتاب میں ”منتظر“ (منتظر ششم) کتابت ہوا ہے۔

ص ۱۹۳: ”اخلاف و اراذل“: اجلاف و اراذل صحیح ہے۔ اجلاف، چلف کی جمع ہے یعنی کمینہ؛ مترجم نے اس کا ترجمہ ”نا خلف“ کیا ہے (۲۵۲/۲)

ص ۱۹۴: ”خبر عیال می گزند“؛ خبر عیال می گیرند صحیح ہے۔

ص ۱۹۶: اس شعر میں ایک لفظ دو بار غلط پڑھا گیا ہے:

بس کبر کہ از کرم مسلمان کردی
یک گیر دگر کنی مسلمان چه شود

شعر کی صحیح صورت یہ ہے:

بس گبر کہ از کرم مسلمان کردی
یک گبر دگر کنی مسلمان چه شود

ص ۲۱۰: ”وجود مخارج پر بسیار“؛ وجوہ مخارج صحیح ہے، دوسرا لفظ اگر ”پر بسیار“ پڑھا جائے تب بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں کیا لفظ تھا اور کیا پڑھا گیا؟

ص ۲۱۲: ”چند روز براں گزشتہ بود“؛ ہمارے ہاں اردو پڑھے لوگ فارسی مصدر ”گذشتن“ سے مشتق تمام الفاظ عام طور پر ”زاء“ کے ساتھ لکھتے ہیں (مشتاق یوسفی کی مشہور کتاب کا سرورق: زر گزشت؛ اور اسی وزن پر سرگزشت) حالاں کہ فارسی میں زاء کے ساتھ ”گزشتن“ مصدر موجود نہیں ہے۔ البتہ ”گزشتن“ مصدر اور اس کی دوسری شکل ”گزاردن“ موجود ہے جس کا مفہوم انجام دینا، ادا

کرنا، بیان کرنا ہے۔ ”گزارش“ اسی سے مشتق ہے۔ ”گذشتہ“ لکھنا چاہیے۔

ص ۲۱۲: ”دست از جان خود شسته بہ فراید“؛ شاید یہاں ”فرود آید“ کا مقام ہے۔ آگے چل کر اسی صفحہ پر آیا ہے: ”احدی ہم از جہاز برای راندن ظہور فرود نیامدہ“، البتہ اس جملے میں ”ظہور“ ہونا چاہیے کیوں کہ واقعہ پرندے اڑانے سے متعلق ہے۔

ص ۲۱۳: ”شما در نیاز ما چرا نصف نمودند“؛ یہ جملہ قواعد زبان سے ساقط ہے، ”شما“ کے لیے فعل ”نمودید“ ہونا چاہیے، لیکن ایسا کرنے سے بھی جملے کا سقم ”در“ کی وجہ سے باقی رہتا ہے، میرا قیاس ہے کہ یہ جملہ ”شما در نیاز ما چرا نصف نمودند“ ہے یعنی ہمارے لیے جو نیاز مقرر کی گئی تھی اس کا شمار آدھا کیوں کیا گیا ہے (خود مترجم نے بھی اس کا ترجمہ یہی کیا ہے، ج ۲، ص ۲۸۱)۔ اس کے بعد کا جملہ بھی سقیم ہے ”و از ربع بہ ثمن دویدند“، اگرچہ مترجم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اور چوتھے حصے کے بجائے آٹھواں کر دیا ہے“، لیکن فارسی متن میں ”دویدند“ ناقابل فہم ہے۔ اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”میر مذکور عرض رسانید کہ اہلیہ فدوی ۰۰۰ ادا خواہد نمود کہ اگر از ماما ۰۰۰ الخ“، میرا قیاس ہے کہ یہاں ”نمود“ کہ بعد کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، ”اگر“ سے شروع ہونے والا جملہ میر مذکور کا نہیں بل کہ شیخ محمد معصوم کا ہونا چاہیے جس میں وہ میر کو تسلی دے رہے ہیں کہ تمہاری اہلیہ ہماری بیٹی کی طرح ہے، اگر یہ رقم اس سے خرچ ہوگئی ہے تو ہم نے برضا و رغبت اسے بخش دی۔

ص ۲۱۴: ”شما آداب فقرا بسیار بجا آوردند“؛ شما کے لیے ”آوردید“ ہونا چاہیے۔

ص ۲۵۸: ”بعضی اعزہ کہ ۰۰۰ بصری برد“؛ اعزہ کی رعایت سے یہاں ”می بردند“ ہونا چاہیے۔

ص ۲۵۸: ”چون بر احوال آنها انداختہ می شود“؛ یہاں چون کے بعد غالباً ”نظر“ قلم انداز ہو

گیا ہے۔

ص ۲۵۸: ”حضرت ایشاتین“؛ معلوم نہیں ایشاتین سہو قلم ہے یا ایشان کا تشنیہ؟ اگر تشنیہ ہے تو خانہ

ساز فارسی ہے۔

ص ۲۵۹: ”بادشاہ از آن باز کہ بر مکتوبات ۰۰۰ پیچند“؛ پیچند کا یہاں کیا استعمال ہے؟ میں نہیں سمجھ

سکا۔ شاید کوئی اور لفظ ہے۔

ص ۲۵۹: ”در مادہ ایشان“؛ شاید ”دربارہ ایشان“ ہے۔

ص ۲۶۵: اس صفحے پر مصنف نے شیخ محمد صبغت اللہ کی ولادت (۱۰۳۳ھ) کے کچھ مادہ ہاے تاریخ اپنی عبارتوں میں بیان کیے ہیں، فاضل مرتب کو چاہیے تھا کہ انھیں واوین یا خط کشیدہ کر کے واضح کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مادے یہ ہیں: ”غالب“ اور ”وی معشوق رب رحمان“۔ مترجم نے یہ پوری عبارت ترجے سے خارج کر دی ہے۔

ص ۲۶۶: ”بابا! ۱۰۰۰ این ہا را محزون ساخته آید“؛ ”ساخته آید“ ہونا چاہیے۔

ص ۲۶۶: ”بہ حلاوت بہ خورند و بہ خسپید“؛ ”بہ خسپند“ ہونا چاہیے۔

ص ۲۷۴: ”تا آن کہ نصف گذشتہ“؛ نصف کے بعد غالباً ”روز“ قلم انداز ہو گیا ہے۔

ص ۲۷۴: ”بعد از تیاری طعام نیاز آرنہ اظهار مطلبی نمود“؛ ”نیاز آرنہ“ [نیاز لانے والا] ہونا چاہیے۔

ص ۳۱۶: ”تا بہ جمعیت خاطر گرفتہ ہر دو“؛ ”برود“ ہونا چاہیے۔

ص ۳۱۷: ”خطا مجتہد ہم حکم صواب و یک درجہ ثواب دارد و ثواب او بدہ درجہ ثواب می رسد“؛ یہ جملہ اس طرح لکھا جانا چاہیے: خطای مجتہد ہم حکم صواب و یک درجہ ثواب دارد و صواب او بہ دہ درجہ ثواب می رسد۔

ص ۳۶۵: ”سواری فیل“؛ نسخہ م میں سواری بہل ہے اور اسے ترجیح دینا چاہیے، سفر حج کے لیے ہاتھی کی سواری کی بجائے بہل کی سواری کارآمد تھی۔

ص ۳۸۲: پر جو اشعار نقل ہوئے ہیں ان میں گڑبڑ ہے:

گر از بویم گریزی ہم بہ خوشم
کہ تو عطار و ما ماہی فروشم

گریزی کو گریزی پڑھنا چاہیے (جیسا کہ مترجم نے جلد ۲، ص ۲۹۹ میں صحیح لکھا ہے)؛ خوشم معنی کے اعتبار سے تو درست ہے لیکن بے وزن ہے؛ ما اور فروشم میں مطابقت نہیں، ما کہ جگہ من قرین صواب ہے۔

عشق تو این کار فرزانه
آنچنان ساخت در دلم خانه

مصرع اولی محل نظر ہے۔

کہ ترا ہم نماند گنجای
بعد ازین خوشترم بہ تنہای

”گنجای“ اور ”تنہای“ کو گنجایی اور تنہایی لکھنا چاہیے۔

صحرا فراخ است ای پسر، تو گوشہ ما گوشہ
منزل دراز است ای پسر، تو نوشہ ما نوشہ

اس بیت میں نہ صرف املا کے مسائل ہیں بل کہ مصرع ثانی معنی کے اعتبار سے بھی مہمل ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار اپنے بعض خدام پر عتاب کے وقت یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

صحرا فراخست ای پسر، تو گوشہ ای ما گوشہ ای
ہچو بلخ از کشت شہ تو خوشہ ای، ما خوشہ ای^{۱۵}

مذکورہ شعر اسی کی تصحیف معلوم ہوتا ہے۔

ص ۳۸۳: ”مردمان ۰۰۰ در مسکن خود ہا بہ روند و لوازم خدمت ۰۰۰ بجا آوردند“؛ یہاں ”بہ روند“ کی جگہ ”بردند“ ہونا چاہیے۔

ص ۳۸۳: ”نہری بود ۰۰۰ دعا فرماید تا بعد قرن باز او نہ رود جاری شود“؛ خط کشیدہ عبارت مہمل ہے۔ شاید یہ اس طرح ہو: بعد قرن باز او [آن] نہر۔

ص ۳۹۸: ”جنونی کردہ ام پیدا، نہ شہری، نہ بیابانی“؛ مصرع بے وزن ہے۔

ص ۴۰۶: ”اکثر ۰۰۰ صحبت دست دہد“، یہاں اگر ہونا چاہیے۔

ص ۴۱۵: ”فقیر خود در جواب باوجود علم یقینی بان توفیقی داشتہ“؛ یہاں توفقی ہونا چاہیے۔

ص ۴۸۲: ”منکریست“؛ ہنگریست ہونا چاہیے۔

ص ۴۸۲: ”معدوم“؛ معدود ہونا چاہیے۔

ص ۴۸۳: ”از ۰۰۰ علاق بہ ۰۰۰ حقائق آید و از ۰۰۰ صور بہ ۰۰۰ معنی گردید“؛ گراید ہونا چاہیے۔

جلد چہارم:

ص ۴۸: فاضل مرتب نے حافظ سلطان علی کی نسبت ”اوبہی“ کو غلط قرار دیا ہے اور ان کی بلخ کے قریہ ”اوبری“ سے نسبت قیاس کی ہے۔ فاضل مرتب کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ حافظ سلطان علی خراسان کے قریہ ”اوبہ“ کے رہنے والے تھے جو ہرات سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوبہ کا جغرافیہ اور یہاں کے کچھ علماء کا تذکرہ اور حافظ سلطان علی اوبہی کے حالات پر کئی کتابیں موجود ہیں^{۱۶}۔ مقاماتِ معصومی میں حافظ سلطان علی اوبہی کا ذکر ایک سندِ مصافحہ کی ضمن میں ہوا ہے۔ حافظ سلطان علی اوبہی نے اپنے رسالہ در اسنادِ مصافحہ (مخطوطہ قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی، شمارہ N.M.1957-655/33) میں ان تمام اسناد کا ذکر کیا ہے جو انھیں مصافحہ میں حاصل تھیں۔ حافظ سلطان علی اوبہی کی ایک اور تصنیف فرہنگ تحفۃ الاحباب مشہد سے ۱۹۸۶ میں اور دوشنبہ سے ۱۹۹۳ء میں چھپ چکی ہے۔

ص ۴۸: شیخ محمود اسفراری کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے حالات متعارف تذکروں میں نہیں ملتے اور یہ بات صحیح ہے۔ تاہم محمد الباقی بن ہاشم بلخی پلاس پوش نے اپنے رسالہ ”مصافحہ“ (تصنیف ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵ء) میں ان کا مختصر ذکر کیا ہے: ”پس جناب حافظ سلطان علی بہ شیخ محمود اسفراری [کذا] محدث در قریہ اوبہ در تاریخ ہفتصد [کذا: ہشتصد] و شصت و پنج مصافحہ کردہ اند و عمر جناب حافظ سلطان علی بہ نود و سہ رسیدہ است و عمر شیخ محمود بہ صد و پست، و شیخ محمود اسفراری [کذا] بہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی مصافحہ کردہ اند“^{۱۷}۔

ص ۱۰۳: مخدوم اعظم^{۱۸} کو خواجہ عبید اللہ احرار کا خلیفہ لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے، وہ خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید مولانا محمد قاضی سمرقندی (م ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء) مصنف سلسلۃ العارفین کے خلیفہ تھے۔

ص ۳۶۹: ”مولانا مراد شامی کا سلسلہ نسب سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک اس طرح واصل ہوتا ہے، مراد بن علی ۰۰۰۰ بن ہود بن یثیٰ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الحسینی البخاری“؛ فاضل مرتب یہاں کیا کہنا چاہتے ہیں اور ”النبی الحسینی البخاری“ سے کیا مراد ہے؟

فاضل مرتب نے اس جلد کے آخر میں خواجہ محمد معصوم اور مقاماتِ معصومی کے رجال سے متعلقہ کئی نادر مخطوطات اور قلمی یادداشتوں کے عکس دیے ہیں۔ اس ضمن میں ہم بھی ایک یادداشت کی نشان دہی کرنا چاہیں گے۔ شرح التعریف لمذہب التصوف از مستملی کا ایک قلمی نسخہ سردار مسعود جھنڈیر

لابری، سردار پور جھنڈیر، میلسی میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر خضر نوشاہی صاحب نے اس ذخیرہ مخطوطات کی فہرست تیار کی ہے، اس فہرست کے مسودے سے ہمیں اس نسخے کا علم ہوا اور ۱۸ جون ۲۰۰۵ء کو وہاں جا کر دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ اس نسخے پر ایک اہم یادداشت موجود ہے جسے خضر نوشاہی صاحب نے اس طرح پڑھا ہے:

”این کتاب مستطاب مبارک متبرک بہ مطالعہ حضرت خود حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس اللہ سرہ در آمدہ و از خدمت ایشان و از کتاب خانہ آن حضرت بہ اولاد امجاد رسیدہ۔ شی در واقعہ حضرت معظم الیہ دید کہ این رسالہ در ۴۰۰ حضرت میاں محمد معصوم قدس سرہ با کتاب دیگر دادند۔ بعد چند روز این کتاب مستغنی اللقب بہ فقیر الحقیر تراب اقدام اہل اللہ ۴۰۰ بعد از وصال حضرت ایشان قدس سرہ ۴۰۰ باین فقیر رسید۔“

اس یادداشت کے محرر نے اپنا دستخط نہیں کیا، بعد میں اس تحریر کے نیچے کسی واقف حال نے (جو ممکن ہے اگلی یادداشت کے محرر ہوں) یہ لکھا ہے: ”خط مبارک خواجہ خورد پسر حضرت۔“ اس کے نیچے ایک اور یادداشت ہے:

”ثم انتقل بطریق العوض من کتاب نقد النصوص الذی ہو شرح الشرح فصوص الحکم من تصانیف حضرت مولوی الجامی قدس سرہ السامی باضعف عباد اللہ المفتقر الی اللہ الودود خواجہ محمد صادق ابن خواجہ عبید اللہ العلوی نسبا والحنفی مذہبا و النقشبندی طریقا“

اس کے بعد ایک اور تحریر اور مہر ہے: ”للفقیہ عالم بن السید سلطان محمد، ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ“؛ مہر: الحمد مظفر“

(II)

املاء، کتابت اور طباعت کی فروگزاشتیں:

جلد ۱:

(اندراجات کی ترتیب اس طرح ہے: صفحہ، سطر: خطا/صواب)

ص ۸، ۵: موقع/موقع

ص ۱۱، حاشیہ: نوتی ماوندوی/نوتی ماوندوی

ص ۱۶، ۱۵: امام اکار دیگر/اما بہ ما کار دیگر

ص ۱۶، ۱۶: بیوسل / بہ توسل

ص ۳۰، حاشیہ ۱: باشندر/باشندہ

ص ۶۶، ۱۵: تہ کرنے/طے کرنے

ص ۶۶، ۱۶: بختار/بختیار

ص ۶۷، ۱۳: سوخ نگار/سواخ نگار

ص ۷۶، ۱: توجیح/توجیہ

ص ۷۶، حاشیہ ۲: شہ/شہ

ص ۷۷، حاشیہ ۱: ایک خطی بھی/ایک خطی نسخہ بھی

ص ۷۷ کے حواشی پر نمبر ڈالتے وقت تسمیحات ہوئے ہیں۔ حاشیہ کی عبارت ”ملا محمود جو نیوری ۶۰۰“ کو حاشیہ نمبر ۲ کے طور پر پڑھا جائے۔ حاشیہ نمبر ۲، ۳ کو علی الترتیب ۳، ۴ پڑھا جائے۔

ص ۷۸، ۲: محس/محسوس

ص ۷۸، ۷: مذہب/مذہب ہا

ص ۸۰، ۸: مدتی با تر صفات او سرخوش بود/مدتی با ترصیفات او خوش بود

ص ۱۱۵، حاشیہ ۴: گلزار ابرار/مرتب نے گلزار ابرار کا ورق شمار نہیں دیا، ان کے زیر استعمال مانچسٹر کا قلمی نسخہ تھا، میرے پیش نظر اس کی اشاعت مرتبہ ڈاکٹر محمد ذکی، شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء ہے اس کے صفحہ ۳۰۴ پر متعلقہ واقعہ موجود ہے۔

ص ۱۲۱، ۱۹: خواجگی ماندہ ایم/خواجگی را ماندہ ایم

ص ۱۸۰، ۲۰: ختہ/ختہ ختہ ختہ ختہ

ص ۲۰۲، حاشیہ ۴: بخار/بختاور

ص ۲۷۲، حاشیہ ۱: طبقات شاہ جہانی، مطبوعہ ۲۱/۹، یہ حوالہ واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتا، اسے مطبوعہ

۲۶/۱۰ پڑھا جائے۔

ص ۲۸۱، س ۱۶: تعلقات و تعلیقات

ص ۲۹۶، حاشیہ: ”چونکہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب شیخ محمد مراد کے حالات سے واقف نہیں تھے لیکن نہ تو ’۰۰۰‘ یہ جملہ بلیغ نہیں ہے۔

ص ۳۴۵، س ۵: دشمنان این دشمنان دین

ص ۳۴۸، س ۱۳: ”حد شمار آری خلفای اکابر را شنیدہ ام ۰۰۰“ یہ عبارت خود صاحب مقامات معصومی کی ہے جسے فاضل مرتب نے متن میں یوں نقل کیا ہے: ”مجازان ایشان ہم زیادہ از حد شمار آری خلفای اکابر را شنیدہ ام“ (ص ۴۲۳) مقدمے میں نقل شدہ عبارت میں چند ایک اشکال ہیں۔ اولاً غیر مربوط اور ناقص من الابداء ہے، ثانیاً املا صحیح نہیں، رموز اوقاف کے ساتھ اسے یوں پڑھنا چاہیے: ”مجازان ایشان ہم زیادہ از حد شمار؛ آری خلفای اکابر را شنیدہ ام“۔

ص ۳۷۷، س ۱۹: فائیکرو فلم / مائیکرو فلم

ج ۲:

ص ۵، س ۸: گردزدار / گردزدار

ص ۵، س ۱۷: کنزل رکنز

ص ۱۷، س ۱۷: دارالاشاد / دارالاشاد

ص ۵۵، س ۲۰: دفریست / دفتریست

ص ۲۷، س ۱۱: گشتہ / گشتہ

ص ۴۹۹: ترجمے کے دوران فارسی اشعار، متن سے مختلف نقل ہوئے ہیں۔

ص ۵۳۹ کے بعد مترجم نے ترجمے کے دوران قوسین میں متن کے جو صفحات شمار دیے ہیں وہ

ترجمے اور متن کی عبارتوں سے مطابقت نہیں رکھتے اور آگے پیچھے ہیں۔

ج ۳:

ص ۴۲۳، س ۷: بادرباید

آخر میں فہرست مندرجات:

ص ۵، ۸: گردوزدار/گردوزدار

ص ۵، ۱۷: کنزل رکنز

ص ۶، ۳: عاثوررعاشور

ج ۴:

ص ۲۳، ۸: ردوی/ردوی

ص ۲۵، ۲: امیر خسرو، سیرالاولیا/امیر خرد، سیرالاولیا

ص ۴۷، آخری سطر: جنوشانی/جنوشانی

فہرست مآخذ:

ص ۴۸۰، شماره ۵۱: N.M.1962-56 / N.M.1902-56

ص ۴۹۱، شماره ۲۱۱: ولیم چتیک/ولیم چتیک (تقدیم یا ۷ برتاء)

ص ۴۹۱، شماره ۲۱۳: ہفت روزگ/ہفت اورنگ

ص ۴۹۳، شماره ۲۲۸: شایگان/شایگان

ص ۴۹۴، شماره ۲۵۸: ۱۹۶۸ش/۱۹۶۸ء

ص ۴۹۸، شماره ۳۲۵: ذخیرۃ الخواتین/ذخیرۃ الخواتین

حواشی

۱۔ دیوان جامی، جلد دوم (واسطۃ العقد، خاتمۃ الحیات) مرتبہ اعلا خان افصح زاد، مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۹۹۹ء
ص ۲۸۲

۲۔ ایضاً، ص ۲۹۶

۳۔ ایضاً، ص ۳۰۷

۴۔ ایضاً، ص ۶۱۸

۵۔ ایضاً، ص ۲۹۴

۶۔ ایضاً، ص ۶۲۵

۷۔ منتخب التواریخ، بہ تصحیح مولوی احمد علی، با مقدمہ و اضافات توفیق ہ۔ سبحانی، انجمن آثار و مفاخر فرهنگی، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۶

۸۔ گلزار ابرار، مرتبہ ڈاکٹر محمد ذکی، خدابخش اورینٹل پبلیک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶۷، ۲۷۵

۹۔ بہار عجم، بہ تصحیح دکتر کاظم دزفولیان، انتشارات طلایہ، تہران، ۱۳۷۹ش، بذیل ”تقدیم“۔

۱۰۔ ایضاً، بذیل ”تقدیم“۔

۱۱۔ فرہنگ فارسی، انتشارات امیرکبیر، تہران، طبع ہفتم، ۱۳۶۴ش، بذیل ”تقدیم“۔

۱۲۔ عارف نوشاہی ”محمد ہاشم کشمی کے بعض فارسی رسائل کی بازیافت“، فکرو نظر، اسلام آباد، محرم۔

ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ / جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۳ء، صفحات ۷۳-۸۶

۱۳۔ ریاض اشعراء، بہ اہتمام شریف حسین قاسمی، رام پور، ۲۰۰۱ء، ج ۱، ص ۳۵۳-۳۵۵

۱۴۔ دریائے روح و تیمم نوح، قلمی، بلا تاریخ، ذخیرہ عارف حکمت، مملکتہ ملک عبدالعزیز، مدینہ منورہ، شمارہ ۸۱۲/۲۲، ورق ۱۴

ب۔ ۱۵۔

۱۵۔ احوال و سخنان خواجه عبید اللہ احرار، مرتبہ عارف نوشاہی، مرکز نشر دانشگاهی، تہران، ۱۳۸۰ شمسی، ص ۲۶۲

۱۶۔ دیکھیے: یاقوت حموی، معجم البلدان، ج ۱، ص ۳۲۷؛ حافظ ابرو، جغرافیای حافظ ابرو، طبع تہران، ص ۲۹ اور اس پر مائل ہردی

کی تعلیقات، ص ۹۱-۹۳؛ میر علی شیر نوائی، مجالس النفائس، طبع علی اصغر حکمت، تہران، ص ۱۴۴

۷۱۔ رسالہ مصافحہ، ، ورق در مجموعہ ۱۸۵ ب ۱۸۶ الف، قلمی نسخہ مملوکہ مرحوم خلیل الرحمان داودی لاہور، عکس مملوکہ راقم السطور۔

۱۸۔ مخدوم اعظم کے حالات پر ان کے مریدوں اور عزیزوں کی طرف سے لکھی جانے والی فارسی کتب کا بہترین تعارف بابا جان اوف B.Babajanov نے اپنے مضمون Biographies of Makhdum-i-Azam al-Kasani al-Dahbidi: Shaykh of the sixteenth century Naqshbandiya مطبوعہ *Manuscripts Orientalia*، ماسکو، جلد ۵، شمارہ ۲، جون ۱۹۹۹ء، صفحات ۳-۸ میں کیا ہے۔ یہ مضمون اس لائق ہے کہ اس کا اردو اور فارسی میں ترجمہ کیا جائے۔

خصوصی تشکر: میں پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی، صدر شعبہ فارسی اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے میری درخواست پر میرے اس مضمون کا مسودہ بالاستیعاب پڑھا اور اسے بہتر بنانے کے لیے کئی مفید مشورے عنایت فرمائے۔
